Page No.:
Date:

ساقی نامہ (مثنوی)

علامہ اقبال

مثنوی" ساقی نامہ کا تنقیدی جائزہ

شاعر کا تعارف

ڈاکٹر علامہ اقبال اردو اور فارسی کے نہایت بلند مرتبہ شاعر ہیں 1877ء میں وہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور 1938ء میں لاہور میں انکا انتقال ہوا۔ اقبال کی ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور کے کالج میں داخلہ لیا جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے اقبال نے P.Hd کی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگلینڈ کی ایک یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ہندوستان واپس ہو کر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دی۔ کچھ عرصے کے لیے وکالت کا پیشہ بھی اختیار کیا لیکن وکالت کا پیشہ اُنکی طبیعت کو راس نہ آیا اس لیے اُس پیشے کو خیرباد کہہ دیا۔ اقبال نے سرگرم سیاست میں حصّہ لیا۔

اقبال کو شاعر مشرق اور حکیم الامت بھی کہا جاتا ہے اقبال شاعر کے ساتھ ساتھ فلسفی، مفکر، دانشمند و سیاست دان اور قوم اور ملت کے ہمدرد رہنما تھے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں خودی کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ اقبال کی تمام تر شاعری جدوجہد اور حرکت اور عمل کا پیغام دیتی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے مشرقی اقوام بطور خاص ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اقبال نے اپنے شاعری میں جو فکر اور فلسفہ پیش کیا ہے اور جدوجہد کا پیغام انھوں نے دیا ہے اس بات کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے پیغمبری کا کام لیا ہے۔ بلاشبہ اقبال پیامی شاعر ہیں۔ اقبال نے کچھ شاعر غزلیں بھی لکھیں ہیں لیکن اُن کی شاعری کا بیش تر حصّہ نظمو

Scanned by CamScanner

پر مشتمل ہیں اور وہ اردو کے سب سے بڑے نظم نگار شاعر ہیں۔

مثنوی ساقی نامہ اقبال کی لکھی ہوئی شاہکار ہیں مثنوی ہے یہ مثنوی اقبال کے تیسرے مجموعے "بال جبریل" میں شامل ہیں یہ مثنوی تقریباً ١٠٠ اشعار پر مشتمل ہیں اور اس کے سات بند ہیں۔ لیکن ہمارے نصاب میں اس مثنوی کے صرف ابتدائی دو بند رکھے گئے ہیں۔ اردو ادب کے تقریباً تمام بڑے بڑے نقادوں کا یہ کہنا ہے کہ اقبال کی یہ مثنوی فکر و خیال اور الفاظ و اسلوب کی اعتبار سے بہترین مثنوی ہے اس مثنوی کے پہلے بند میں اقبال نے تمہید کے طور پر موسم بہار کا دلکش منظر بیان کیا ہے اس بند میں موسم بہار کی رنگینیاں اور دلکشی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ موسم بہار اپنے پورے شباب پر ہے پہاڑوں کے دامن خوبصورت باغ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ "ارم" شداد کی بنائی ہوئی فرضی جنت کا نام ہے۔ شاعر نے یہاں کہا ہے کہ موسم بہار کے یہاں آتے ہی پہاڑ کا دامن باغ ارم بن گیا ہے۔ اس باغ میں گلاب، نرگس، لالہ، سوسن، نسرن جیسے طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ہواؤں میں سرور ہے ہر طرف پرندے چہچہا رہے ہیں۔ موسم بہار کا لطف لینے کے لیے وہ اپنے آشیانوں سے باہر ہیں پہاڑی سے ایک ندی جاری ہے جو اچھلتی، کودتی اور سرکتی ہوئی بہہ رہی ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہاڑی جہاں جہاں سے راستہ مل سکتا ہے وہاں سے گزر رہی ہے۔ اس ندی کے پانی میں ایسا زور ہے کہ وہ اپنے زور سے پہاڑوں کے دل چیر رہی ہے اور جب یہ ندی کا پانی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے کسی پتھر پر گرتا ہے تو وہ پتھر ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اقبال نے اس ندی کی حرکت اور زور کو دیکھ کر یہ کہا ہے کہ یہ ندی زندگی کا پیام سناتی ہے۔ اقبال نے یہاں یہ اشارہ دیا کہ حرکت اور عمل اور جد و جہد زندگی کی علامت ہے۔

Scanned by CamScanner

Date:

اس کے برخلاف جمود و سکون اور ٹھہراو موت کی نشانی
ہے انسانوں کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ متحرک رہے۔
اس مثنوی میں ساقی سے مراد اللہ تعالی
ہے۔ اقبال نے ساقی یعنی خدا سے مخاطب ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ
اے ساقی مجھے ایسی شراب پلا جس سے سارے پردے جل
جائیں یہاں اقبال کہہ رہے ہیں کہ ایسا علم، ایسی حکمت
اور ایسا عرفان عطا کر کہ اس سے میں دنیا اور آخرت کی
حقیقت سمجھ سکوں اور زندگی کا مقصد مجھ پر واضح ہو جائے
یہاں شراب سے مراد علم و عرفان ہے اور پردے سے مراد وہ
وہ حجابات ہیں جو عقل اور حقیقت کے درمیان پڑے
ہیں زائل ہو سکے جب کسی کو علم و عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو
اس کی پوری دنیا روشن ہوتی ہے یہاں اقبال نے یہ کہا ہے
کہ جب علم و عرفان حاصل ہو جاتا ہے تو حیات اور
کائنات کی ساری حقیقتیں واضح ہو جاتی ہیں علم و عرفان وہ
چیز ہے جس کی بدولت ہر چیز کی حقیقت ہم پر کھلتی ہے۔
اسی علم کی بدولت انسان ازل
اور ابد (دنیا کی ابتداء اور انتہا) سے واقف ہوتا ہے
اقبال نے اللہ سے یہ دعا کی پہلے مجھے اپنی محبت عطا کر
کرتے ہوئے اس بند کے آخری شعر میں کہہ رہا دعا کی ہے کہ
مجھے اپنی محبت ادا کر محبوں کی اسی کی بدولت انسان کائنات
کے حقائق سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اس پر اسرار حیات
(زندگی کے راز) عیاں ہوتے ہیں عشق الہی کی بدولت اس
خاک کے پتلے اور کمزور انسان میں ایسی زبردست روحانی
طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ساری کائنات کو مسخر کر لیتا
ہے۔

Scanned by CamScanner

یہاں اقبال نے انسان کو ممولا کہا ہے اور ساری کائنات کی طاقتوں کو شہباز کہا ہے۔ ممولا ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے اور شہباز ایک شکاری پرندہ ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے کہ علم و عرفان اور عشقِ الٰہی کی بدولت معمولی سے چڑیا میں بھی ایسی زبردست طاقت پیدا ہوتی ہے جس کے بل پر وہ دنیا کی بڑی سی بڑی قوت سے ٹکرا سکتا ہے اور اس پر فتح یاب بھی ہوتا ہے۔

عشقِ الٰہی کی بدولت اس خاک کے پتلے اور کمزور انسان میں ایسی زبردست روحانی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ساری کائنات کو مسخر کر لیتا ہے یہاں اقبال نے انسان کو ممولا کہا ہے اور ساری کائنات کی طاقتوں کو شہباز کہا ہے۔ ممولا ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے اور شہباز ایک ایک شکاری پرندہ ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے علم و عرفان اور عشقِ الٰہی کی بدولت معمولی سی چڑیا یعنی انسان میں بھی ایسی زبردست طاقت پیدا ہوتی ہے جس کے بل پر وہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا سکتا ہے اور اس پر فتح یاب بھی ہو سکتا ہے۔

اس مثنوی کے دوسرے بند میں اقبال نے حالاتِ حاضرہ اور مسلمانوں کی اس دور کی حالت پر تبصرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں ہر جگہ انقلابات آ رہے ہیں لوگوں کے طرزِ زندگی میں بڑی بڑی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ نئی نئی تحریکیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اسی بات کو اقبال نے درج ذیل شعر میں واضح کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے۔

اس شعر میں نئے راگ سے اقبال کی جدید سیاسی اور سماجی تحریکات مراد ہیں۔ مثلاً اشتمالیت، اشتراکیت، نازیت فسطائیت وغیرہ "رائٹ ونگ" کے فاش ہونے سے مراد ہے کہ یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام حکومت کی بنیادوں میں کمزوری آچکی ہے۔ اسی لیے اگلے اشعار میں خود اس کی تشریح کرتے ہوئے ہیں کہ اب دنیا کے باشندے بادشاہت سے سخت بیزار ہو چکے ہیں اور سرمایہ داری کا دور ختم ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ایشیائی قومیں اپنی آزادی کے لیے جد و جہد کر رہی ہیں۔

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

اس شعر میں اقبال نے یہ کہا ہے کہ اہل چین جو صدیوں سے بادشاہت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے اب وہ اپنی آزادی کے لیے میدان میں آ چکے ہیں ہندوستان کے باشندے بھی غلامی کی زنجیریں توڑ رہے ہیں۔ عرب اقوام بھی فلسطین، عراق، شام اور حجاز میں مغربی طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو چکی ہیں اور تائید غیبی کی منتظر ہیں۔

ایشیا کے سیاسی حالات کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرنے کے بعد اقبال مسلمانوں کی حالت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ مسلمان زبان سے توحید کا اقرار کرتے ہیں لیکن بعض غیر اسلامی عقائد ابھی تک غیر اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں مسلمانوں کے تمدن، تصوف، علم کلام اور شریعت غرض یہ کہ ان کی اخلاقی

زندگی کے تمام شعبوں میں عجمی (غیر اسلامی) افکار کی آمیزش ہوگئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے

تمدن کے لغوی معنی ہیں شہروں میں اجتماعی زندگی بسر کرنا مراد ہے رہن سہن کے طریقے اقبال کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بہت سی غیر اسلامی رسوم داخل ہوگئی ہیں۔

ہندوؤں جو کام مندروں میں کرتا ہے وہی کام درگاہوں میں مسلمان کرتا ہے۔ اس اعتبار سے دونوں مشرک ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری شادی بیاہ اور روزانہ کی زندگی میں ایسے کئی رواج داخل ہو چکے ہیں جن کا اسلامی تہذیب و تمدن سے کوئی تعلق نہیں۔

تصوف کے معنی ہیں "تزکیہ نفس" یعنی اپنی نفس کی صفائی، یہ اگرچہ بہت ضروری چیز ہے لیکن اس میں بھی بعض ویدانتی خیالات (یعنی ہندو مذہب کے خیالات) شامل ہوگئے ہیں اور ان کا نتیجہ بے عملی اور ترکِ دنیا کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے مسلمانوں کی عملی قوت کو مفلوج کر دیا۔

شریعت، عقائد اور عبادات اور معاملات کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں بھی بعض علمائے سوء، خراب اور جاہل لوگ نے بعض غیر اسلامی باتیں داخل کر دی مثلاً اسلام نے بادشاہت و رہبانیت (ترکِ دنیا) سرمایہ داری اور جاگیرداری وغیرہ۔

کلام سے وہ فن مراد ہے جس کی مدد سے سائنس اور فلسفے کے مقابلے میں اسلام کی حقانیت (سچائی) ثابت کی جاتی ہے۔

اقبال کا کہنا ہے کہ اس فن میں بھی غیر قرآنی آیت اور اکثر غیر اسلامی وسائل راہ پا گئے ہیں اور مسلمانوں نے اپنی دماغی صلاحیتوں کو بلاوجہ اور بے سود ان مسائل میں واضع کر دیا۔

Scanned by CamScanner

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے یہی چار نمایاں پہلو ہیں اور افسوس کے ساتھ لکھنا پڑھنا ہے کہ مسلمانوں نے ان چاروں سرچشموں کو اپنی غفلت اور کوتاہ بینی کی بدولت خراب کر دیا ہے۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی حقانیت اور صداقت خرافات کے پردے میں چھپ گئی اور قوم قرآن حدیث کے بجائے اسرائیلی اور غیر اسلامی روایات کی پیرو بن گئی۔ اسی بات کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

روایات سے احادیث مراد نہیں ہیں بلکہ بنی اسرائیل کے وہ قصے اور کہانیاں مراد ہیں جو علماء کی غفلت کی بنا پر تفسیر اور کتب احادیث کی کتابوں میں شامل ہو گئے ہیں اور صوفیہ کی کمزوری کے بدولت تصوف کی کتابوں میں شامل ہو گئی ہیں۔

یہ کہانیاں اور قصے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں قرآنی سورۃ میں
صاف لفظوں میں اللہ حکم دیتا ہے کہ اور جس چیز کا تجھے علم نہ
ہو اس کی پیروی مت کر۔ بلاشک قیامت کے دن کان، آنکھ
اور دل باز پرس ہوگی۔

لیکن مسلمانوں کا طریق عمل اس حکم کے بالکل
برعکس ہے کیونکہ عقائد کا دارومدار زیادہ تر انہیں روایات پر ہے
جنکی کوئی حقیقت نہیں۔

اقبال نے اس کے بعد کے دو شعر میں
مسلمانوں کے علماء کا حال بیان کیا ہے اقبال کہتے ہیں کہ ان علماء
کے تقریر کو بڑی لچھے دار ہوتی ہیں لیکن ان کے سینے عشق رسول
سے بالکل خالی ہے [illegible] کی کیفیت۔ یہ بلکہ وہ
زیادہ تر "عجمی" غیر اسلامی خیالات کی پیروی کرتے ہیں جن کو قرآنی
حکم اور حدیث نبوی سے کوئی علاقہ نہیں ہے خلاصہ کلام یہ
ہے کہ ان غیر اسلامی عقائد و افکار کی بنا پر مسلمان قوم اسلام
کی روح یعنی عشق رسول سے بیگانہ ہو گئی ہے۔

اقبال نے اس صورت حال کے پیش نظر
موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو راکھ کے ڈھیر سے تشبیہ دی ہے کہا
ہے:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یہ شاعری نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کیونکہ دنیا میں ترقی اور سربلندی
کے لیے کسی نہ کسی نصب العین کا ہونا ضروری ہے۔ آج کل کے مسلمانوں
کے علاوہ دنیا میں جتنی قومیں ہیں سب کے سب عشق وطن میں سرشار
ہیں۔

Scanned by CamScanner

Page No.:
Date:

ہر ملک کا باشندہ یہ کہتا ہے میں وطن کے لیے جیونگا اور وطن کے لیے مرونگا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مسلمان وطن پرستی کو نہیں کر سکتا کیونکہ اسکی بنیادی تعلیم اس کے ذہن کے خلاف ہے۔ قرآن دین کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے لیے جیتا اور اللہ کے لیے مرتا ہے۔ اب دینی ترقی کی دوسری اور آخری صورت یعنی خدا پرستی۔ خدا، رسول اور اسکے دین سے سچی محبت مگر اس کے لیے مسلمان تیار نہیں ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کی ترقی رک چکی ہے اقبال کا کہنا ہے کہ مومن کے دل میں جب تک اللہ و اسکے رسول اور اسکے دین سے سچا عشق نہ ہو وہ راکھ کے ڈھیر کے مانند ہے اسی لیے اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

Scanned by CamScanner